اسلامی تہذیب وتمدن

تہذیب وتمدن: اسلامی تہذیب وتمدن سے متعلق جاننے کے لیے تہذیب وتمدن کا معنی ومفہوم جاننا ضروری ہے۔ تہذیب وتمدن کا معنی مفہوم مختصراً درج ذیل ہے:

تہذیب کے لغوی معنی: لغت میں تہذیب کے معنی کانٹ چھانٹ کرنے، سنوارنے، عیوب دور کرنے، شائستہ بنانے اور پاک وصاف کرنے وغیرہ کے ہیں۔

تہذیب کا اصطلاحی مفہوم: اصطلاحی اعتبار سے تہذیب کسی قوم کے رہن سہن، طرز بود وماند، رسم ورواج، عادات واطوار اور عقائد واخلاق وغیرہ سے عبارت ہے۔ یہ چیزیں چونکہ مختلف اقوام میں مختلف ہوتی ہیں اس لیے ان کی تہذیبیں بھی مختلف اور متنوع ہوتی ہیں۔ چنانچہ مختلف اقوام سے نسبت دے کر مختلف تہذیبیں شمار کی جاتی ہیں۔ مثلاً مصری تہذیب، یونانی تہذیب، سومیری تہذیب، بابلی تہذیب، ہندی تہذیب، مغربی تہذیب، اسلامی تہذیب وغیرہ۔ بالفاظ دیگر اگر یہ کہنا ہو کہ فلاں قوم کا رہن سہن، طرز بود وباش، رسم ورواج، عادات واطوار اور عقائد واخلاق وغیرہ اس طرح کے ہیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی تہذیب ایسی ہے۔

تمدن کے لغوی معنی: تمدن کے لغوی معنی شہر بسانے، شہری زندگی اپنانے، مل جل کر رہنے اور تہذیب وشائستگی اختیار کرنے وغیرہ کے ہیں۔

تمدن کا اصطلاحی مفہوم: اصطلاح میں تمدن سے مراد وہ معاشرت ہے جو تہذیبی اقدار اور آدمی کی زندگی سے متعلق خوب سے خوب تر کی تلاش وجستجو کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ مثلاً آدمی کا اپنی تعلیمی وعلمی ضروریات کی غرض سے بہتر سے بہتر تعلیمی ادارے قائم کرنا، رسل ورسائل میں آسانی کی خواہش کے تحت پختہ اور کشادہ سڑکیں وغیرہ بنانا، اپنے دفاع کی خاطر قوی سے قوی ہتھیار بنانا۔ بیماروں کی شفا کے لیے دواخانے اور ہسپتال قائم کرنا، انصاف کے فروغ اور ظلم وزیادتی کی روک تھام کے لیے عدالتوں اور پولیس کا نظام قائم کرنا، معاشرتی زندگی کی صحت واستواری کے لیے حکومتیں بنانا، مذہبی جذبے کے تحت عبادت گاہیں تعمیر کرنا وغیرہ سب چیزیں تمدن کے ذیل میں آتی ہیں۔

تہذیب وتمدن کا باہمی تعلق: تہذیب وتمدن میں یہ فرق کیا جاتا ہے کہ تہذیب کا تعلق عقائد و نظریات سے ہے اور تمدن کا اعمال ونتائج سے۔ یا یہ کہ تہذیب روح ہے اور تمدن جسم۔ یا یہ کہ تہذیب بیج ہے اور تمدن اس کا پھل۔ ایسی تمام تعبیرات درست ہوسکتی ہیں۔ ہم بلاشبہ تہذیب کو حقیقت اور تمدن کو اس کے مظاہر کہہ سکتے ہیں۔ گو اس زاویہ نظر سے دیکھنے سے بھی تہذیب اور تمدن میں باہم گہرا ربط نظر آتا ہے، تاہم تہذیب وتمدن کے اوپر بیان کردہ معانی ومفاہیم سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باہم لازم وملزوم اور کافی حد تک مشترک المعنی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہے تو غلط نہیں ہوگا۔

ہماری زبان میں صرف تہذیب یا صرف تمدن کی بجائے عام طور پر تہذیب وتمدن کی ترکیب استعمال ہوتی ہے۔ یہ گویا اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ یہ دونوں باہم اس قدر مدغم ہیں کہ مطلوبہ معانی کا صحیح صحیح اظہار دونوں کے بیک وقت استعمال کے بغیر ناممکن ہے۔ ایک کا استعمال ذہن کو لازماً دوسرے کی طرف بھی متوجہ کرتا ہے۔ یوں ادائے مطلب کے لیے دونوں مترادف کا کام دے جاتے اور ایک دوسرے کے لیے استعمال ہوجاتے ہیں۔

کلچر: موجودہ دور میں تہذیب وتمدن کے مفہوم کے اظہار کے لیے انگریزی لفظ کلچر بکثرت استعمال ہونے لگا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ثقافت کیا جاتا ہے۔ تہذیب وتمدن (Civilization) کے لیے عربی لفظ حضارۃ بھی کلچر کا ہم معنی ہے۔ موجودہ دور کے تناظر میں تہذیب وثقافت اور تمدن وحضارت کے مفہوم کی وضاحت کے لیے کلچر سہل تر لفظ کہا جاسکتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ذرا وسعت سے کام لیں تو تہذیب، ثقافت، تمدن حضارت اور کلچر ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے والے مختلف الفاظ قرار پاتے ہیں اور ان میں سے ہر لفظ بقیہ تمام الفاظ کے مفاہیم کا متحمل ہوسکتا ہے۔

اسلامی تہذیب وتمدن: اسلامی تہذیب وتمدن سے مراد وہ تہذیب وتمدن ہے جس کی اساس اسلام کے عقائد ونظریات ہوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عقائد واخلاق اور تصورات ونظریات کا کسی بھی تہذیب کی تشکیل میں اہم اور بنیادی کردار ہوتا ہے۔ جس قسم کے عقائد واخلاق اور تصورات ونظریات ہوں گے اسی قسم کی تہذیب پروان چڑھے گی۔ بنابریں خالص اسلامی تہذیب وہی ہوگی جو صحیح اسلامی عقائد واخلاق اور تصورات ونظریات سے عبارت ہوگی۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ جہاں بھی کثیر تعداد میں مسلمان بستے ہوں، یا ان کی حکومت قائم ہو تو ضروری نہیں کہ وہاں کی تہذیب بھی خالص اسلامی ہو، بلکہ عین ممکن ہے کہ ان کی تہذیب میں بہت سی غیر اسلامی چیزیں بھی شامل ہوگئی ہوں۔ موجودہ دور میں بیشتر مسلم ممالک میں ایسی ہی صورت حال ہے۔ اسلام بلاشبہ اس بات سے منع نہیں کرتا کہ مسلمان دیگر اقوام کے ان رسوم و

رواج اور عادات واطوار کو اپنے اندر جذب کر لیں جو اسلامی تعلیمات سے نہ ٹکراتے ہوں، اور اس صورت میں جغرافیہ اور زمان ومکان کے فرق کے اعتبار سے مختلف علاقوں اور خطوں کے مسلمانوں کی تہذیب میں جو ظاہری اختلاف رونما ہوگا، اسے اسلامی تہذیب کے مختلف مظاہر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، تاہم اسلام اپنے اساسی تصورات میں کسی طرح کی پیوند کاری کو برداشت نہیں کرتا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی تہذیب کے حوالے سے اساسی نوعیت کے کسی بھی کمپرومائز پر آمادہ نہ ہوں۔

اسلامی تہذیب کے عوامل: عوامل کے معنی ہیں محرکات۔ یعنی وہ چیزیں جو کسی کام کا سبب بنتی یا اس پر ابھارتی ہیں۔ اسلامی تہذیب کے عوامل سے مراد ہوگا: وہ محرکات جو اسلامی تہذیب کا سبب بنتے یا اس پر ابھارتے ہیں۔ انسان کا فعل وعمل اس کے فکر وخیال کا ثمر اور نتیجہ ہوتا ہے۔ جس طرح کے افکار و نظریات ہوں گے اسی طرح کے اعمال ہوں گے۔ اسلامی تہذیب مخصوص افکار ونظریات کی بنیاد پر تشکیل پاتی ہے۔ یہ افکار ونظریات اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔ یہی اسلامی تہذیب کے عوامل کہلاتے ہیں اور یہ مندرجہ ذیل ہیں: 1- اللہ تعالیٰ پر ایمان۔ 2- رسولوں پر ایمان۔ 3- فرشتوں پر ایمان۔ 4- الہامی کتابوں پر ایمان۔ 5- آخرت پر ایمان۔

قرآن مجید میں ان بنیادی عقائد کا ذکر کئی جگہ ملتا ہے۔ یہاں دو آیات کا حوالہ دیا جاتا ہے:

1- وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ (البقرہ 2:177) ''اصل نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ، یوم آخرت، فرشتوں، کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے۔''

2- ''اے ایمان والو، ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس نے اس سے پہلے نازل فرمائی۔ جس شخص نے اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور یوم آخرت کا انکار کیا، وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دور جا پڑا۔'' (البقرہ 2:136)

احادیث نبوی میں بھی بنیادی عقائد کا ذکر متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔ یہاں مشہور حدیث، حدیث جبریل کے وہ الفاظ نقل کیے جاتے ہیں، جو حضور نے ایمان کے بارے میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں ارشاد فرمائے: اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ. (صحیح مسلم) ''ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، یوم آخرت اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لاؤ۔''

1۔ **اللہ تعالیٰ پر ایمان:** اسلامی تہذیب کے عوامل میں سب سے پہلا اور بنیادی عامل اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کا مفہوم یہ ہے کہ اس کائنات اور اس کی تمام اشیا کی خالق و مالک اور رازق و مدبر صرف ایک ذات ہے، جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ نہ وہ کسی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کی اولاد ہے۔ تمام موجودات اس کی محتاج ہیں وہ کسی کی محتاج نہیں۔ کوئی اس کا ہمسر و ثانی نہیں۔ قرآن مجید میں اللہ کی توحید اور اس کے خالق و مالک اور قادرِ مطلق ہونے کا بیان جگہ جگہ آیا ہے۔ مثلاً: النمل 88:27، ابراہیم 10:14، الشوریٰ 11:42۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں اپنا نائب بنایا۔ اسے اپنے احکام فرامین دیے اور یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ ان کے مطابق زندگی گزارے۔ انسان کی کامیابی کا راز اللہ کے احکام کی پیروی میں مضمر ہے۔ تاہم اللہ نے بندے کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی، اور اس آزادی کی بنا پر وہ اس کی فرمانبرداری اور نافرمانی میں سے کسی کو بھی اختیار کر سکتا ہے۔ فرمانبرداری کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ اسے دنیوی کامیابی کے علاوہ آخرت کی دائمی نعمتوں سے نوازے گا۔ بصورت دیگر دنیاوی ناکامیوں کے علاوہ آخرت کے دائمی عذاب سے دوچار کرے گا۔

1۔ **رسولوں پر ایمان:** اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت و مہربانی سے بندوں کی رہنمائی کا خصوصی اہتمام فرمایا۔ انسانوں ہی میں سے کچھ افراد کو منتخب کر کے انہیں اپنی مرضی و منشا سے آگاہ کیا اور عوام الناس کو اپنی مرضی و منشا سے آگاہ کرنے کا فرض سونپا۔ عام لوگوں تک اللہ کے احکام و ہدایات پہنچانے والے چنیدہ بندگانِ خدا کو نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔ ان انبیاء و رسل کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ پہلے مختلف اوقات میں مختلف اقوام کی طرف الگ الگ نبی بھیجے جاتے رہے۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا (النمل 36:16) ''اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا''۔ آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی کے طور پر پوری انسانیت کے لیے اور قیامت تک کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیا 107:21) ''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے'' وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا (سبا 28:34) ''اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔'' مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (الاحزاب 40:33) ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔'' ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ سب انبیا و رسل پر ایمان لائے۔ کسی ایک نبی کا انکار سب کے انکار کے برابر ہے۔ مسلمان اقرار کرتے ہیں: لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ (البقرہ آیت 285:2) ''ہم اس کے رسولوں میں

باہم کوئی فرق نہیں کرتے۔'' تمام انبیا ورسل پر ایمان اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی اور قیامت تک کے سب انسانوں کے لیے نمونۂ عمل ماننا اسلامی تہذیب کا نہایت اہم عامل ہے۔

3۔ **فرشتوں پر ایمان**: فرشتے اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق کائنات میں مختلف فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ حکم خداوندی کی پابندی کرتے ہیں، اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ ارشادالٰہی ہے: لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (التحریم 6:66) ''جو اللہ انہیں حکم دیتا ہے اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور جو حکم دیا جاتا ہے، بجالاتے ہیں۔'' فرشتوں سے متعلق بعض لوگ مشرکانہ عقائد رکھتے تھے۔ بعض لوگ انہیں دیوی دیوتا سمجھتے اور بعض خدا کی بیٹیاں کہتے۔ اسلام نے ایسے تمام تصورات کی تردید کی اور واضح کیا کہ فرشتے دیوی دیوتا ہیں نہ خدا کی اولاد اور نہ ہی اس کے معاون ومددگار۔ یہ اللہ کے انتہائی تابع فرمان بندے ہیں۔ یہ اللہ کی تسبیح وتقدیس کرتے اور اس کے حکم سے مختلف امور سرانجام دیتے ہیں۔ اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچاتے ہیں۔ ان کے اعمال لکھتے ہیں۔ ان کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ ان کے چار مشہور افراد جبرائیل، میکائیل، عزرائیل اور اسرافیل ہیں۔ حضرت جبرائیل وحی لانے، حضرت میکائیل رزق رسانی اور بارش کے انتظام، حضرت عزرائیل روحیں قبض کرنے اور حضرت اسرافیل صور پھونکنے پر مامور ہیں۔ ان کے علاوہ کراماً کاتبین انسان کے اعمال لکھتے اور ہر وقت اس کے ساتھ موجود رہتے ہیں۔ منکر نکیر قبر میں اللہ، رسول اور دین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ فرشتوں کی تعداد حدوشمار سے باہر ہے۔ فرشتوں پر ایمان سے مقصود یہ ہے کہ ان سے متعلق اسلام کا دیا ہوا متذکرہ صدر صحیح اور واضح تصور رکھا جائے اور قدیم گمراہانہ خیالات سے بچا جائے۔

4۔ **الہامی کتابوں پر ایمان**: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اپنے نبیوں پر جو صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں انہیں آسمانی کتابیں یا الہامی کتابیں کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے سب الہامی کتابوں پر ایمان لانا اور انہیں اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی تسلیم کرنا ضروری ہے ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ (النساء 136:4) ''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر جو اس نے اپنے (آخری) رسول پر نازل کی اور ہر اس کتاب پر جو اس سے پہلے نازل کی گئی۔'' الہامی کتابوں پر ایمان سے مراد یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ انبیا ورسل پر جو بھی کتابیں اور صحیفے نازل کیے گئے وہ سب اللہ کی طرف سے تھے، لیکن آخری آسمانی کتاب، قرآن مجید نازل ہو جانے کے بعد وہ سب منسوخ ہو گئے۔ اب صرف قرآن پر عمل کیا جائے گا۔ پہلی کتابوں میں تحریف وتبدیلی ہو چکی

ہے۔ ان کی صداقت کو جانچنے کا معیار قرآن پاک ہے۔ ان کتابوں کی صرف انہی باتوں کو درست سمجھا جائے گا، جو قرآن کے خلاف نہیں نہیں۔ چار مشہور الہامی کتابیں تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید ہیں۔ یہ کتابیں علی الترتیب حضرت موسیٰ، حضرت داؤدؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ ان چار مشہور کتب کے علاوہ حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ وغیرہ انبیا پر نازل ہونے والے صحیفے بھی تھے، جن کے نام تو قرآن میں نہیں آئے البتہ ان کا ذکر ملتا ہے۔ ان تمام الہامی کتابوں اور صحیفوں کی بنیادی تعلیمات مشترک تھیں، مثلاً توحید باری تعالیٰ، رسالت، آخرت اور اچھے اور برے اعمال کی جزا و سزا وغیرہ۔ تاہم شریعت کے قوانین، ان کتابوں میں ضروریات زمانہ کے مطابق، الگ الگ ہوتے تھے۔ بعد میں آنے والی کتاب بقدر ضرورت پہلی کتاب کے احکام کو منسوخ کر دیتی۔ قرآن جو سب سے آخری کتاب ہے، اس نے پہلی سب شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ اب صرف قرآنی احکام و قوانین پر عمل ہوگا۔

5- **آخرت پر ایمان:** اسلامی عقیدۂ آخرت کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ عقیدۂ آخرت انسان کے دل میں مضبوطی سے جمے ہوئے اس تصور کا نام ہے کہ دنیا فنا ہو جانے والی ہے۔ انسان مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے فنا نہیں ہو جاتا، بلکہ اس دنیا کے بعد ایک نیا جہان قائم ہوگا۔ انسان دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اس نئے جہان اور نئی زندگی میں اللہ تعالیٰ انسانوں سے اُن کی گزشتہ زندگی اور گزشتہ جہاں میں کیے گئے اعمال کا حساب لے گا۔ نتیجے کے طور پر اچھے لوگ ہمیشہ کے عیش و آرام کے گھر جنت اور برے لوگ ہمیشہ کے رنج و الم کے مقام جہنم میں بھیج دیے جائیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **فَاَمَّا مَنْ طَغٰی. وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا. فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی. وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی. فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی** (النزعت 79:37-41) ''پس جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی، اس کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا اور دل کو خواہشوں سے روکتا رہا، اس کا ٹھکانا جنت ہے۔'' ایک اور جگہ فرمایا: **اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ. وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ.** (الانفطار 1:13-14) ''اور بے شک نیک لوگ بہشت میں ہوں گے اور بے شک گنہگار دوزخ میں ہوں گے۔''

آخرت کے بارے میں قرآنی تعلیمات یا آخرت کے قرآنی تصور کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

ا۔ اس جہان اور انسان کے خالق نے ان کو ایک خاص مقصد کے تحت پیدا کیا ہے۔ وہ مقصد یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلے اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے، ان سے رُکا رہے۔

2- اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی نافرمانی کے کچھ لازمی نتائج ہیں، لیکن ان نتائج کے مکمل ظہور کے لیے یہ دنیا اور انسانی زندگی بہت ناکافی ہے۔ چنانچہ لازم ہے کہ ایک ایسا نیا جہان اور ایسی نئی زندگی ہو جو دائمی ہو، اور جس میں یہ نتائج پورے طور پر سامنے آسکیں۔

3- یہ نیا جہان اور نئی زندگی موجودہ زندگی اور جہاں کے خاتمے کے بعد وجود میں آئے گی۔ یہ عالم آخرت ہے۔ یہاں انسانوں کی دنیوی زندگی کے اعمال تولے جائیں گے، جن کے نیک اعمال کا وزن زیادہ ہوگا وہ کامیاب قرار پائیں گے، اور جن کے برے اعمال کا وزن زیادہ ہوگا وہ ناکام۔ یہ کامیابی اور ناکامی مکمل طور پر میرٹ کی بنیاد پر ہوگی۔ اللہ کی ہدایت کو جھٹلانے والوں کی ناکامی کسی سفارش، معاوضہ یا قرابت داری کی وجہ سے کامیابی میں نہ بدلی جاسکے گی۔

4- کامیاب اور ناکام ہونے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ مقام تیار کر رکھے ہیں۔ کامیاب لوگوں کا مقام جنت ہے۔ یہ ایسی نعمتوں اور ایسے عیش و آرام کی جگہ ہے کہ موجودہ زندگی میں انسان کا تخیل بھی وہاں تک نہ پہنچ پائے۔ ناکام لوگوں کا مقام جہنم ہے۔ یہ ایسے رنج والم اور عذاب وسزا کی جگہ ہے کہ آدمی تصور بھی نہیں کرسکتا۔

اسلامی تہذیب کے عناصر: عناصر کے معنی ہیں: اجزا، یعنی کسی چیز کے مختلف حصے، جن سے مل کر وہ چیز بنتی ہے۔ اسلامی تہذیب کے عناصر سے مراد ہوگا: وہ اجزا جن سے مل کر اسلامی تہذیب ترکیب پاتی ہے۔ اسلامی تہذیب کے بنیادی اجزا و عناصر ارکانِ اسلام ہیں۔ یہ وہ ستون ہیں، جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے۔ ارشادِ نبوی ہے: **بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَ صَوْمِ رَمَضَانَ.** (بخاری) ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔'' مذکورہ حدیث میں نبی کریمؐ نے دین اسلام کو ایک عمارت سے تشبیہ دیتے ہوئے واضح فرمایا ہے کہ اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر رکھی گئی ہے اور وہ پانچ ستون یہ ہیں:

1- شہادت توحید و رسالت 2- نماز 3- روزہ 4- زکوٰۃ 5- حج

1- شہادت توحید و رسالت: اسلام کا پہلا رکن توحید و رسالت کی گواہی دینا ہے۔ یہ گواہی کلمہ شہادت کی صورت میں دی جاتی ہے۔ کلمہ شہادت ہے: **اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.** ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا

کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔" کلمہ شہادت کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار و اعلان ہے اور دوسرے حصے میں آنحضور کی رسالت کا۔ جو شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہونا چاہتا ہو، اس کے لیے ان دونوں باتوں کی گواہی ضروری ہے۔ ان کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ بظاہر یہ دو الگ الگ شہادتیں ہیں لیکن دراصل ایک ہی ہیں، کیونکہ ایک کے بغیر دوسری بے فائدہ ہے۔

کلمہ شہادت یعنی اللہ کے بلاشرکت غیرے معبود اور آنحضور کے اللہ کے آخری نبی ہونے کے اعتراف و اعلان سے شہادت توحید و رسالت کی ظاہری ادائیگی ہوتی ہے، لیکن یہ گواہی مکمل اس وقت ہوتی ہے جب آدمی دل سے بھی اس کی تصدیق کرے، اور دل سے تصدیق کی حقیقی صورت یہ ہے کہ آدمی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اور اطاعت کی حقیقت یہ ہے کہ دل کی تمام خواہشات کو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع کر دیا جائے۔ حضور نے فرمایا: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبِعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ. "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔"

شہادت توحید و رسالت کی اہمیت و عظمت غیر معمولی ہے۔ یہ شہادت اگر قول و عمل دونوں سے دی جائے تو انسان عظمت و شرف کی بلندیوں پر پہنچ جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخی عظمت اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آج مسلمان اگر وہی بلندی و شرف حاصل کرنے کے خواہاں ہیں تو یہ گواہی قول کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی دینا ہوگی۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

2۔ **نماز**: نماز کے لیے قرآن مجید میں "صلوٰۃ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ صلوٰۃ کے لغوی معنی تعریف کرنے، دعا کرنے، متوجہ ہونے اور بھلائی چاہنے وغیرہ کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں صلوٰۃ یا نماز سے مراد آنحضور کی طرف سے امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخصوص ہیئت کے ساتھ سکھائی گئی وہ معروف و متعارف عبادت ہے، جو مسلمان ہر روز پانچ مرتبہ ادا کرتے ہیں۔

نماز اسلامی نظام عبادت کا سب سے اہم جز ہے۔ یہ ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی خصوصی تاکید ملتی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (البقرہ 2:43) "نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرو، رکوع

کرنیوالوں کے ساتھ۔" یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ (البقرہ2: 153)" اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔" اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (النساء4: 103)" بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات میں ادا کرنا فرض ہے۔" قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِہِمْ خَاشِعُوْنَ (المومنون23: 1-2)" بے شک کامیاب ہو گئے وہ ایمان والے جو اپنی نمازوں میں عاجزی اختیار کرتے ہیں۔" احادیث میں آیا ہے: الصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ مَنْ اَقَامَھَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ ھَدَمَھَا فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْنَ ۔ "نماز دین کا ستون ہے، جس نے اسے قائم رکھا، اس نے دین کو قائم رکھا، جس نے اسے گرا دیا، اس نے دین کو گرا دیا۔" مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ۔ (ترمذی) "جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی اس نے کفر کیا۔" رَاْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَ عَمُوْدُہُ الصَّلٰوۃُ "دین کی اصل بنیاد خدا اور رسول کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور اس عمارت کا ستون نماز ہے۔" اَوَّلُ مَا سُئِلَ عَنِ الصَّلٰوۃِ "قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا۔" بَیْنَ الْعَبْدِ وَ بَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ۔ (مسلم) "بندے اور کفر کے درمیان چیز نماز کا چھوڑ دینا ہے۔"

نماز سے فرد اور معاشرے کی سطح پر بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ نماز آدمی کو برائی سے بچاتی، احساس بندگی پیدا کرتی، پابندیٔ وقت، طہارت و پاکیزگی، فرض شناسی اور مداومتِ عمل کا درس دیتی اور اللہ تعالیٰ سے تعلق، سکون قلب، گناہوں کی بخشش اور فلاحِ دارین کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس سے افرادِ معاشرہ میں باہم انس و محبت اور ہمدردی و غمگساری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اطاعت امیر اور نظم و ضبط کی تربیت ملتی اور مسلمانوں کی جمعیت و قوت کا اظہار ہوتا ہے۔ نیز حکمرانوں کے احتساب اور عوام اور حکمرانوں میں رابطے کی سبیل پیدا ہوتی ہے۔

3- **روزہ**: روزہ کے لیے عربی میں لفظ صوم استعمال ہوتا ہے۔ صوم کے لغوی رکنے اور ترک کرنے وغیرہ کے ہیں۔ شریعت میں اس سے مراد خدا کی رضا جوئی کے لیے صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے رکے رہنا ہے۔ رمضان المبارک کے روزے تمام عاقل، بالغ، تندرست اور مقیم مسلمانوں پر لازم قرار دیے گئے ہیں۔ روزوں کی فرضیت و اہمیت متعدد آیات و احادیث سے عیاں ہے۔ آیاتِ قرآنیہ ہیں:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ2: 183)" اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں

پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم پرہیز گار بنو۔" فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (البقرہ2:185) "پس تم میں سے، جو یہ مہینہ پائے اس کے روزے رکھے۔" احادیث نبویہ ہیں: اَلصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِيْ بِهٖ. (بخاری) "(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔" مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ. (مسلم) "جس نے ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے۔" اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ (مسلم) "روزہ ڈھال ہے۔" "روزہ رکھا کرو، اس کی مثل کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔" (نسائی) "جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔" (بخاری)

روزہ آدمی میں تقویٰ، ضبطِ نفس اور قناعت پسندی جیسی اعلیٰ صفات پیدا کرتا ہے۔ اس سے برائیوں سے اجتناب اور ریاکاری سے بچنے کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ روزہ دار جب خود بھوک پیاس برداشت کرتا ہے تو اسے بھوکوں پیاسوں کی تکالیف کا صحیح صحیح احساس ہوتا ہے، یوں اس میں محروم و نادار لوگوں سے ہمدردی کا احساس کروٹ لیتا ہے۔

4-زکوٰۃ: زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں: پاک وصاف کرنا، پھلنا پھولنا، نشوونما پانا، اضافہ ہونا۔ شرعی اصطلاح میں زکوٰۃ سے مراد مال کا وہ مقررہ حصہ ہے جو مقررہ حد سے زیادہ مال رکھنے والے مسلمان سالانہ راہِ خدا میں دینے کے پابند ہیں۔ زکوٰۃ کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ شریعت کی رُو سے اس سے مال پاک ہوتا اور اس میں اضافہ ہوتا ہے۔

زکوٰۃ کو اسلام میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ یہ شریعت کے تقاضوں کے مطابق ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ اس کی فرضیت و اہمیت سے متعلق چند آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ملاحظہ ہوں: وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ. (البقرہ2:43) "اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔" اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (البقرہ2:277) "بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔" خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا (التوبہ9:103) "(اے نبی) ان کے اموال میں سے صدقہ (یعنی زکوٰۃ) لو، جس سے انہیں پاک و صاف کر دو۔" وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبہ9:34) "جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔" وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا

بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّهۡلُکَةِ (البقرہ 2:195) ”اور اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔“ آنحضور نے حضرت معاذ بن جبل کو داعی اسلام بنا کر یمن بھیجا تو انہیں وہاں کے لوگوں کو جن اہم مذہبی فرائض کی ادائیگی کی دعوت دینے کی تلقین فرمائی، ان میں ایک زکوٰۃ بھی تھی۔ آپ نے فرمایا: انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال پر زکوٰۃ فرض کی ہے، جو ان کے امیروں سے لے کر غریبوں کو دی جائے گی۔ (بخاری) وفدِ عبدالقیس نے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر اسلامی تعلیمات سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے سب سے پہلے نماز اور زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔ (بخاری) بعض احادیث کے مطابق جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ دی گئی، وہ قیامت کے دن صاحبِ مال کے لیے شدید اذیت و تکلیف کا باعث بنے گا۔

زکوٰۃ سے متعلق حضور کی سخت تاکید کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق نے ان لوگوں کے خلاف تلوار اٹھالی، جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ منکرین زکوٰۃ چونکہ توحید کے قائل تھے، اس بنا پر حضرت عمر نے ان کے خلاف جنگ کے معاملہ میں کچھ تحفظات کا اظہار کیا، تو حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: ”خدا کی قسم جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریں گے اور بکری کا ایک بچہ بھی روکیں گے، جو وہ حضور کے عہد میں بطورِ زکوٰۃ دیا کرتے تھے، تو میں ان کے خلاف ضرور جہاد کروں گا۔“ (بخاری)

مال کی کم از کم مقدار جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، اسے نصاب کہتے ہیں۔ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے، چاندی کا ساڑھے باون تولے، نقدی اور مالِ تجارت کا سونے یا چاندی کے نصاب کی قیمت کے برابر، اونٹوں کا پانچ پر ایک بکری، بیلوں اور بھینسوں کا تیس پر ایک سال کا بچھڑا اور بھیڑ بکریوں کا چالیس پر ایک سال کی بکری ہے۔ مال اگر مذکورہ مقدار یا تعداد سے کم ہو یا اس پر سال نہ گزرا ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ زرعی پیداوار کی زکوٰۃ کو عشر کہتے ہیں۔ اگر زمین سینچنے میں کاشت کاری کی زیادہ محنت نہ لگے، مثلاً بارش یا نہر وغیرہ سے سیراب ہو، تو اس پر عشر کی شرح پیداوار کا دسواں حصہ ہے، اور اگر کاشت کار کو زیادہ محنت، مثلاً کنوئیں یا ٹیوب ویل وغیرہ سے سینچنا پڑے، تو پیداوار کا بیسواں حصہ۔ بنیادی ضروریات مثلاً رہائش، مکان، لباس، کھانے پینے کی اشیا، گھریلو استعمال کے برتن، سواری کے جانور اور زیرِ استعمال گاڑیوں وغیرہ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

جن مدوں پر زکوٰۃ صرف کی جاتی ہے انہیں مصارفِ زکوٰۃ کہتے ہیں۔ قرآن کی رو سے زکوٰۃ کے مصارف آٹھ ہیں۔ یعنی فقیر، مسکین، زکوٰۃ کے منتظمین، وہ لوگ جن کے دلوں میں اسلام کی الفت پیدا کرنا مقصود ہو، جنگی قیدیوں اور غلاموں کا آزاد کرانا، مفلوک الحال مقروضوں کے قرض ادا کرنا، اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے اخراجات اور مسافروں کی مدد اور انہیں سہولیات بہم پہنچانا۔ قرآن میں ان مصارف کے لیے فقراء، مساکین، العاملین، المولفۃ قلوبھم، فی الرقاب، الغارمین، فی سبیل اللہ اور وابن السبیل کے

الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

زکوٰۃ سے بہت سے معاشی، معاشرتی اور انفرادی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اس سے ارتکازِ دولت کا خاتمہ ہوتا ہے۔ سرمایہ گردش میں آتا ہے۔ بے پناہ معاشی تفاوت کا خاتمہ ہوتا ہے۔ کاروبار ترقی کرتا ہے۔ سوسائٹی کی معاشی حالت بہتر ہوتی ہے۔ طبقاتی منافرت ختم ہوتی ہے۔ جرائم میں کمی آتی ہے۔ آدمی کا تزکیہ نفس ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

5- حج: حج کے لغوی معنی قصد کرنے، زیارت کرنے اور ارادہ کرنے وغیرہ کے ہیں۔ دینی اصطلاح میں حج کے معنی ہیں: ذوالحجہ کے مخصوص ایام میں مخصوص آداب کے ساتھ، دینی فریضہ ادا کرنے کی غرض سے، خانہ کعبہ کی زیارت کرنا۔ حج کے مخصوص دنوں کے علاوہ خانہ کعبہ کی زیارت کو اصطلاحاً عمرہ کہتے ہیں۔

اہلِ عرب ظہورِ اسلام سے قبل بھی خانہ کعبہ کا حج کیا کرتے تھے۔ تاہم اس میں بہت سی غلط رسوم در آئی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط رسوم کی اصلاح کر کے اس شعارِ ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کیا۔ حج 9 ہجری کو فرض ہوا۔ حضور نے 10 ہجری میں ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام کی معیت میں اپنا پہلا اور آخری حج ادا فرمایا۔ یہ حج تاریخ اسلام میں حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ حج ہر عاقل و بالغ اور صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک بار کرنا لازم ہے۔ قرآن وحدیث کی رو سے حج کی فرضیت واہمیت مسلم ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران 3:97) ’’اور اللہ کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے۔ جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، اور جو انکار کرے تو اللہ جہان والوں سے بے نیاز ہے۔‘‘ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (البقرہ 2:196) ’’اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو۔‘‘ وَ اَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ (الحج 22:27) ’’اور لوگوں میں حج کا عام اعلان کردو۔‘‘ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (الحج 22:29) ’’اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔‘‘ احادیث نبویہ یہ ہیں: يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا ’’اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے، سو حج کرو۔‘‘ اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ. (مسلم) ’’حج مبرور کا بدلہ صرف جنت ہے۔‘‘ مَنْ حَجَّ هٰذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَمَا وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ. (بخاری) ’’جس نے اس گھر کا حج کیا اور اس دوران کوئی شہوانی کام کیا اور نہ گناہ کا مرتکب ہوا۔ وہ یوں لوٹا، گویا اس کی ماں نے اسے آج ہی جنم دیا۔‘‘ مَنْ لَمْ يَمْنَعْهُ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَاۤءَ يَهُوْدِيًّا وَّ اِنْ شَاۤءَ نَصْرَانِيًّا. ’’جس

شخص کو کوئی ظاہری ضرورت حج سے روک رہی ہو نہ کوئی ظالم بادشاہ اس کی راہ میں حائل ہو اور نہ ہی کوئی بیماری حج سے روکنے والی ہو، پھر بھی وہ حج نہ کرے تو وہ یہودی مرے چاہے نصرانی۔ (اسلام سے اسے کچھ تعلق نہیں۔)

حج ایک ایسی عبادت جو تمام عبادت کی جامع ہے۔ اللہ کی حمد وثنا کرنے، خواہشاتِ نفس سے رُکے رہنے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور گھر سے دوری اور سفر کی تکالیف برداشت کرنے میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور جہاد سب عبادات کی کیفیات پائی جاتی ہیں، اور دوران حج، حاجی یہ سب کچھ کر کے بیک وقت تمام عبادات کے فوائد وثمرات سے متمتع ہوتا ہے۔

حج کے دوران جو رسوم واعمال ادا کیے جاتے ہیں، انہیں مناسکِ حج کہتے ہیں۔ مناسک حج میں احرام، تلبیہ، طواف، استلام، مقام ابراہیم پر نماز کی ادائیگی، سعی صفا ومروہ، قیامِ منیٰ، وقوفِ عرفات، قیامِ مزدلفہ، قربانی، حلق راس، طواف زیارت، رمی جمرات اور طوافِ وداع شامل ہیں۔

حج بہت سے انفرادی اور اجتماعی فوائد بہم پہنچاتا ہے۔ انفرادی سطح پر اس سے قرب الٰہی حاصل ہوتا اور گناہوں کی بخشش ہوتی ہے۔ قربانی، ضبطِ نفس اور صبر وتحمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اخلاقی حالت سنورتی اور شیطان سے نفرت وبیزاری پیدا ہوتی ہے۔ اجتماعی سطح پر بہت سے مسلمانوں کے اجتماع کے نتیجہ میں باہمی اتحاد ومساوات کا درس ملتا ہے، اور اتنے بڑے اجتماع میں بغیر کسی فساد اور فسق وفجور کے مناسکِ حج کی ادائیگی سے اہل اسلام میں نظم وضبط اور تنظیم کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔

اسلامی تہذیب کی خصوصیات

اسلامی تہذیب کی وہ خصوصیات جو اسے دیگر تہذیبوں سے منفرد اور ممتاز مقام عطا کرتی ہیں، حسب ذیل ہیں:

1- توحید: اسلامی تہذیب میں توحید خداوندی کے تصور کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ توحید سے مراد یہ ہے کہ اس تمام کائنات کا خالق ومالک ایک اللہ ہے (هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الاخلاص 1:112)۔ جو ہر لحاظ سے بے مثل وبے نظیر (لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۔ الشوریٰ 11:42)، وحدہ لاشریک اور حی وقیوم ہے (اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۔ البقرہ 255:2)۔ وہ بے نیاز ہے (اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۔ الاخلاص 2:112)۔ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد (لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۔ الاخلاص 3:112)۔ اسے نیند آتی ہے نہ اونگھ (لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ البقرہ 255:2)۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے (عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الحشر 22:59)۔ قادر مطلق ہے (اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

شَیْءٍ قَدِیْرٌ البقرہ 20:2)۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے (وَ یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ۔ابراہیم 27:14)۔ اسی نے موت وحیات کی تخلیق کی ہے (خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ ۔الملک 2:67)۔ وہی زمین و آسمان کا خالق ہے (الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۔البقرہ 22:2)۔ کوئی کسی بھی طرح اس کا ہمسر وثانی نہیں (وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۔اخلاص 4:112)۔ اس کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے (لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۔البقرہ 83:2)۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا بہت بڑا ظلم ہے (اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ۔لقمان 13:31)۔ جس نے کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا اس پر اس نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے (اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰهُ النَّارُ ۔المائدہ 72:5)

2۔ **ایمان اور عملِ صالح**: اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں خصوصیت ایمان اور عمل صالح ہے۔ مسلمان اسلام کی بتائی ہوئی ان دیکھی حقیقتوں یعنی اللہ تعالیٰ، اس کے نبیوں، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں۔ ان حقیقتوں پر ایمان صالح اعمال کا تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ اہل اسلام اپنے دین کے بتائے ہوئے نیک اعمال جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، محبت، اخوت، خوش خلقی، ہمدردی، عدل وانصاف وغیرہ بجالاتے ہیں۔ اسلام کے نقطہ نظر سے انسان کی دنیاوی اور اخروی کامیابی کے لیے یہ دونوں چیزیں کلیدی اہمیت کی حامل ہیں۔ اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ ایک شخص ایمان تو لائے لیکن نیک اعمال نہ کرے یا نیک عمل تو کرے لیکن صاحب ایمان نہ ہو۔ دیگر تہذیبوں میں ایمان اور عمل صالح کی یہ خصوصیت بہت کم دکھائی دیتی ہے۔ کہیں ایمان ہی کو ذریعہ نجات سمجھ لیا جاتا ہے اور عملِ صالح کی اہمیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور کہیں اچھے اعمال ہوتے ہیں لیکن ایمان نظر نہیں آتا۔ ایسا ایمان جو عمل پر نہ ابھارے درحقیقت ایمان ہی نہیں، اور ایسے نیک اعمال جن کا جذبہ محرکہ ایمان نہ ہو دراصل نیک اعمال ہی نہیں۔ ایسے ایمان اور عمل کا معیار انتہائی پست ہوتا ہے اور وہ اعلیٰ مقاصد حاصل نہیں ہوتے جو اسلام کا مطمعِ نظر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ایمان اور اعمال صالح پر برابر زور دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالْعَصْرِ ۔اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (العصر 103:1-3) ''عصر کی قسم انسان یقیناً خسارے میں ہے، سوائے ان (لوگوں) کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔''

3۔ **تکریم آدمیت**: اسلامی تہذیب کی اہم خصوصیت تکریم آدمیت ہے۔ تکریم آدمیت سے مراد یہ ہے کہ کائنات کے تمام مخلوقات میں انسان سب سے مکرم ومحترم اور بزرگ وبرتر ہستی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا۔ (لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ التین 4:95) اولادِ آدم کو کرامت و بزرگی عطا فرمائی، انہیں بحر و بر میں سواریاں عنایت کیں، پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور بہت سے مخلوقات پر فضیلت بخشی۔ (وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۔ بنی اسرائیل 70:17) آدم کو اللہ کی طرف سے ملنے والی عظمت و تکریم کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اللہ نے فرشتوں جیسی معصوم، نیک اور نوری مخلوق کو اس کے آگے سجدے میں ڈال دیا۔ ارشاد خداوندی ہے: وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ (البقرہ 34:2) ''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے۔'' انسان کی عظمت اور عزت و تکریم کے اس تصور سے دیگر تہذیبیں یکسر نا آشنا تھیں۔ ان تہذیبوں میں نہ صرف یہ کہ انسان کو کوئی مرتبہ و وقار حاصل نہیں تھا بلکہ وہ نہایت پست سطح پر گر گیا تھا، اور کائنات کی مختلف چیزوں حتیٰ کہ خود اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی اشیا کے سامنے سجدہ ریز تھا۔ اسلام انسان کو باور کراتا ہے کہ وہ کائنات کا خادم نہیں، مخدوم ہے۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ نے آدمی کے لیے مسخر کر دی ہے۔ ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ (لقمان 20:31) ''کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔'' گویا کائنات انسان کے لیے ہے، انسان کائنات کے لیے نہیں۔ بقول اقبال:

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

4-حاکمیتِ الٰہیہ اور نیابتِ آدم: اسلامی تہذیب میں اقتدارِ اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ (اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ یوسف 40:12۔ ''حاکمیت صرف اللہ ہی کی ہے۔'') البتہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اپنے احکامات کے نفاذ کے لیے کائنات کی بہترین اور اشرف و اکرم مخلوق یعنی انسان کو اپنا نائب مقرر فرمایا ہے: ارشاد الٰہی ہے: وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرہ 30:2) ''اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔'' خلیفہ یا نائب حقیقی اور اصلی حکمران کے احکام و ہدایات کے مطابق ہی نظام حکومت چلانے کا پابند ہوتا ہے۔ چنانچہ اسلام تاکید کرتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات کے مطابق حکومت کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (المائدہ 48:5) ''پس ان کے

درمیان اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کیجیے۔" جو لوگ اللہ کی نازل کردہ ہدایات کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ (وَ مَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ۔ المائدہ 5:44)

5۔ مساواتِ بنی نوع انسان: اسلام میں تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں، رنگ و نسل، قوم و قبیلہ، زبان و وطن، غرضیکہ کسی بنیاد پر بھی کوئی شخص دوسرے سے برتر و اعلیٰ نہیں۔ سب اللہ کی مخلوق اور آدم کی اولاد ہیں۔ کائنات میں اللہ کے فراہم کردہ اسباب سے استفادہ کا سب کو مساوی حق حاصل ہے۔ قانون کی نظر میں حاکم وقت اور ایک عام آدمی میں کوئی فرق نہیں۔ محض مال و متاع اور حکومت و اقتدار کسی فرد کے افضل اور بڑے ہونے کی دلیل نہیں اور محض ان چیزوں سے محرومی کسی کے کمتر اور چھوٹے ہونے کی علامت نہیں۔ برتری اور فضیلت کا اگر کوئی معیار ہے تو وہ صرف اور صرف تقویٰ اور خوف خداوندی ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث نبوی میں اس حقیقت کو متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ چند آیات قرآنی اور احادیث نبوی یہ ہیں۔ "یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَ بَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً (النساء 4:1)" اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔" یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات 49:13)" اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے کنبے اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے، جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔" وَ مَا کَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا (یونس 10:19)" اور سب لوگ ایک ہی اُمت تھے، پھر الگ الگ ہو گئے۔" اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَ اِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَّلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَّ لَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی۔ (مسند احمد)" اے لوگو! بے شک تمہارا پروردگار ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ خبردار! کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی سرخ کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں، سوائے تقویٰ کے۔" اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّ الْعِبَادَ کُلَّھُمْ اِخْوَۃٌ (ابوداؤد)" میں گواہی دیتا ہوں کہ سب انسان بھائی بھائی ہیں۔" اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ۔ (بیہقی) "ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔" بقول حالی ؎

یہ پہلا سبق تھا کتاب ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

6۔ اخوتِ اسلامی: اسلامی تہذیب کی ایک اہم خصوصیت اہل اسلام کا باہمی اتحاد اور اخوت و بھائی چارہ ہے۔ اسلامی اخوت کی بنیاد کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ ہر مسلمان نسل، رنگ، قوم، زبان اور علاقے وغیرہ کے امتیاز کے بغیر اسلامی برادری کا ایک رکن ہے۔ قرآن و حدیث میں اسلامی اخوت کا تذکرہ متعدد مقامات پر ملتا ہے۔ چند آیات اور احادیث ملاحظہ ہوں: وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران 103:3) ''اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو۔ ایک وقت تھا کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی۔ پس تم اس کی عنایت سے بھائی بھائی بن گئے۔'' اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات 10:49) ''بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔'' لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ (الانفال 63:8) ''اگر آپ دنیا کی ہر چیز خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں اُلفت پیدا نہ کر سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں الفت و محبت ڈال دی ہے۔'' وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران 103:3) ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقے میں نہ پڑو۔'' وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (الانفال 46:8) ''اور آپس میں مت جھگڑو ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔'' اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعَهٗ (بخاری) ''مومن، دوسرے مومن کے لیے ایسے ہی قوت کا باعث ہے جیسے عمارت کا ایک جزو دوسرے کو مضبوط بناتا ہے۔ پھر آپ نے (مسلمانوں کے باہمی اتحاد کی وضاحت کے لیے) ایک ہاتھ کی اُنگلیاں دوسرے ہاتھ کی اُنگلیوں میں داخل فرمائیں۔'' اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يَخْذُلُهٗ ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔'' اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ. ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ

وَالْحُمّٰی (بخاری) ''تم مومنین کو آپس میں رحم کھانے، اُلفت و محبت کرنے اور شفقت و مہربانی کرنے میں، جسم انسانی کی طرح پاؤ گے کہ جب جسم کا کوئی ایک عضو تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو ... ے کا سارا جسم بے خوابی اور بخار میں اس کے ساتھ شرک ہو جاتا ہے۔'' بقول شاعر

اخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں

تو ہندوستان کا ہر پیر و جواں بے تاب ہو جائے

7۔ <u>عدل و انصاف</u>: اسلامی تہذیب عدل و انصاف کی علمبردار ہے۔ اسلامی اخلاقیات میں عدل و انصاف سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کو اس حق صحیح صحیح ملے اور کسی پر کسی طرح کا ظلم اور زیادتی نہ ہو۔ قانون کی نظر میں چھوٹے بڑے، غریب امیر اور حاکم و محکوم سب برابر ہوں۔ جس جرم کی جو سزا مقرر ہو اس کا نفاذ جس طرح ایک عام آدمی پر ہو اسی طرح سرمایہ داروں، افسروں اور وقت کے حکمرانوں پر بھی ہو۔ کسی رنگ و نسل، قوم و وطن اور مذہب و ملت کا فرق بھی کسی کے حق کی صحیح صحیح ادائیگی میں رکاوٹ نہ بنے۔

عدل دو طرح کا ہوتا ہے 1۔ انفرادی عدل۔ 2۔ اجتماعی عدل۔

انفرادی عدل سے مراد وہ عدل ہے کہ جس کا تعلق فرد کی زندگی سے ہو۔ یعنی ایک طرف تو آدمی اپنی زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال و توازن کا رویہ اپنائے اور افراط و تفریط سے بچے اور دوسری طرف عدل و انصاف کے تقاضوں کو اپنے ذاتی مفاد اور ذاتی پسند و ناپسند سے مقدم رکھے۔ اور اجتماعی عدل یہ ہے کہ اجتماع اور معاشرے کی سطح پر تمام شعبوں مثلاً معاشرت، سیاست، معیشت اور عدالت وغیرہ میں عدل و انصاف کو قائم رکھا جائے اور کسی شعبے میں بھی ظلم و ناانصافی راہ نہ پا سکے۔ قرآن و حدیث میں عدل و انصاف کی بہت تاکید آئی ہے۔ چند آیات اور احادیث ملاحظہ ہوں: وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ. (النساء 58:4) ''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔'' اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ. (النحل 90:16) ''بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔'' وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى. (المائدہ 8:5) ''اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف کا دامن چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو۔ یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔'' فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً. (النساء 3:4) ''اگر تمہیں ڈر ہو کہ (زیادہ بیویوں میں) عدل نہ کر پاؤ گے تو ایک ہی بیوی کافی ہے۔'' ''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سات آدمیوں کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دے گا۔ ان سات آدمیوں میں ایک امام عادل ہو گا۔ (الحدیث) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ خوشی اور ناراضی ہر حال میں انصاف سے کام لوں۔ (الحدیث) انصاف

کرنے والے کو دو اجر ملتے ہیں، ایک عدل و انصاف کا اور دوسرا فرائض کی بحسن و خوبی انجام دہی کا۔ (الحدیث) آپ نے عدل و انصاف کی تلقین کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ میں بہترین عملی مثالیں بھی قائم فرمائیں۔ قبیلہ بنی مخزوم کی ایک خاتون فاطمہ نے چوری کا ارتکاب کیا۔ حضور نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے حضرت اسامہ بن زید کے ذریعہ سزا میں نرمی کے لیے سفارش کی تو آپ نے فرمایا: کیا تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو! تم سے پہلی قومیں اسی لیے تباہ و برباد ہوئی کہ کوئی چھوٹا آدمی جرم کرتا تو اس کو سزا دی جاتی اور کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا۔ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ غزوۂ بدر میں کفار کے قید ہونے والے افراد میں آپ کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے۔ مدینہ منورہ میں ان کے ننھیالی تھے۔ لوگوں نے ننھیالی تعلق اور آپ سے قرابت کی بنا پر حضرت عباس کا فدیہ معاف کرنے کی اجازت چاہی مگر آپ نے اس سے منع کر دیا۔ ایک دفعہ ایک مسلمان اور یہودی میں جھگڑا ہو گیا۔ معاملہ آپ کے پاس آیا۔ آپ نے دونوں کا موقف سن کر فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا۔

8۔ **اعتدال و توازن**: اسلام انتہا پسندی اور افراط و تفریط سے روکتا اور اعتدال و میانہ روی اختیار کرنے پر زور دیتا ہے۔ امت مسلمہ کو امت وسط قرار دیا گیا ہے: **وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا** (البقرہ 143:2) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور قول ہے: **خَيْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا** ۔ ''بہترین راہ درمیان کی راہ ہے۔'' قرآن پاک میں خرچ کرنے کے معاملہ میں کنجوسی اور فضول خرچی دونوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد ہوا: **وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا** (بنی اسرائیل 29:17) ''اپنے ہاتھ کو گردن سے باندھے رکھو اور نہ بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ ملامت زدہ اور حسرت زدہ بن کر بیٹھ رہو۔'' اللہ کے نیک بندوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا: **وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا** (الفرقان 67:25) ''اور وہ لوگ کہ جب خرچ کریں تو اسراف سے کام لیتے ہیں اور نہ کنجوسی سے، بلکہ ان دونوں کے درمیان کی راہ اختیار کرتے ہیں۔'' حضور کا فرمان ہے: **مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ** (مسند احمد) ''جس نے میانہ روی اختیار کی وہ تنگدست نہ ہوا۔'' صرف خرچ کے معاملہ ہی میں نہیں ہر معاملہ میں اعتدال و توازن کی تاکید کی گئی ہے، حتیٰ کہ عبادت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر وقت عبادت میں مشغول رہنے کو ناپسند فرماتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ اللہ سے ڈرو تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے اہل و عیال کا بھی۔ یعنی عبادت کرو لیکن اپنے جسم اور

اہل وعیال وغیرہ کو بھول نہ جاؤ کہ ایسا کرنا اپنے ذمہ دیگر فرائض میں کوتاہی ہے اور یوں یہ ثواب کے بجائے الٹا گناہ کا موجب ہے۔

9۔**اخلاقی اقدار:** اسلامی تہذیب کی ایک اہم خصوصیت جامع اور مکمل اخلاقی تعلیمات ہے۔ اخلاق دو طرح کے ہوتے ہیں: 1-اخلاق حسنہ۔ 2-اخلاق سیئہ۔ اخلاق حسنہ سے مراد ہے: اچھے اخلاق اور اخلاق سیئہ سے مراد ہے برے اخلاق۔ اچھے اخلاق میں دیانت داری، ایفائے عہد، سچائی، ایثار، بردباری، صبر، شکر، عدل و انصاف، احسان، شجاعت، بہادری، محبت و شفقت، تواضع، عفو، شرم وحیا اور خدمت خلق وغیرہ شامل ہیں اور برے اخلاق میں جھوٹ، خیانت، بدعہدی، ظلم و زیادتی، بخل، بدکاری، بزدلی، غیبت، حسد، چوری، تکبر اور بدکلامی وغیرہ۔ اسلام نے اخلاق حسنہ اپنانے اور اخلاق سیئہ سے بچنے کی خصوصی تلقین فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں اسلام کی تعلیمات دیگر تمام مذاہب کی نسبت زیادہ سہل، قابل عمل اور فطرتِ انسانی سے قریب تر ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اسلام نے نمایاں طور پر ایسی سوسائٹی تشکیل کر دی، جو کسی بھی دوسری سوسائٹی سے اعلیٰ اخلاقی نمونوں کی حامل تھی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق حسنہ کا وہ اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا جو تاریخ انسانی میں اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کے اسوہ حسنہ کی پیروی انسانوں کو اخلاق کے اس اعلیٰ معیار پر پہنچا سکتی ہے جس کا عقلِ انسانی تصور کر سکتی ہے۔ قرآن پاک میں آپ کے اعلیٰ اخلاق کی گواہی ان الفاظ میں دی گئی ہے: **وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ** (القلم 68:4) ”اور بے شک آپ عظیم اخلاق پر ہیں۔“ حضرت عائشہؓ سے کسی نے آپ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: ”کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟“ پوچھنے والے نے جواب دیا ہاں، کیوں نہیں؟“ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: **کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ**۔ ”آپ کا اخلاق قرآن ہی تو تھا۔“ چنانچہ آپ کو اسوۂ حسنہ قرار دیتے ہوئے آپ کی پیروی کی ترغیب دی گئی: **لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ** (الاحزاب 33:21) ”بے شک تمہارے لیے رسول اللہ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔“ اسلام میں اخلاقیات کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مقصدِ بعثت ہی اچھے اخلاق کی تکمیل بتایا ہے: **اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ**۔ ایک مومن کے ایمانِ کامل کی نشانی یہ ہے کہ اس کے اخلاق بہترین ہوں: **اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ اَخْلَاقًا**۔

10-**رواداری:** رواداری سے مراد ہے مذہبی آزادی، دیگر مذاہب کی محترم شخصیات کا احترام، مذہبی مسائل میں اختلاف کو برداشت کرنا، کسی کو تبدیلیِ مذہب پر مجبور نہ کرنا اور مذہبی اختلاف کے باوجود

دوسرے کے انسانی حقوق کا لحاظ رکھنا۔ اسلام رواداری کا علمبردار ہے۔ وہ مذہب کے معاملہ میں جبر و اکراہ کو قطعاً ناپسند کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ 256:2) ''دین میں کوئی جبر نہیں۔'' اسلام انسان کے اس حق کو نہ صرف تسلیم کرتا بلکہ اسے یقینی بنانے کے لیے ایسے اقدامات کرتا ہے کہ آدمی اپنی آزاد مرضی سے جو بھی عقیدہ رکھنا چاہے رکھے اور جو بھی مذہب اختیار کرنا چاہے اختیار کرے۔ (فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکھف 29:18) ''پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر کرے۔'') دیگر مذاہب میں عموماً دوسرے مذاہب کی محترم شخصیات کے احترام پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی، بلکہ ان کی توہین کی جاتی ہے۔ جبکہ اسلام اس کے برعکس دیگر مذاہب کی محترم شخصیات کے احترام کو ایمان کا حصہ سمجھتا ہے۔ یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو بھی کچھ نہیں سمجھتے: وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ (البقرہ 113:2) اور اسلام اور پیغمبر اسلام پر بھی معترض ہوتے ہیں لیکن اسلام ان کے نبیوں اور کتابوں کو نہ صرف مانتا بلکہ انہیں نہ ماننے والوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا۔ وہ اہل اسلام سے اقرار کرواتا ہے کہ: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ 285:2) ''ہم اس کے رسولوں میں باہم کوئی فرق نہیں کرتے۔'' وہ حکم دیتا ہے کہ: قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (آل عمران۔3:84) ''کہیے ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور جو ابراہیم اور اسمعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ و عیسیٰ اور (دیگر) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی میں کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے تابع فرمان ہیں۔'' اسلام کی رواداری کی حد یہ ہے کہ وہ ان باطل معبودوں کو بھی گالی دینے سے منع کرتا ہے، جن کو لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں: وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام 108:6)

11- **انسانی حقوق:** اسلام انسانی حقوق کو یقینی بناتا ہے۔ اسلامی تہذیب میں کسی شخص کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ کسی کمزور کا حق غصب کرے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''تم میں جو شخص کمزور ہے وہ میرے نزدیک طاقتور ہے یہاں تک میں اسے اس کا حق دلا دوں، اور تم میں جو طاقتور ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ

میں اس سے دوسرے کا حق واپس نہ لے لوں۔" اسلام سے قبل سوسائٹی کے کمزور طبقوں مثلاً عورتوں، غلاموں اور بچوں وغیرہ پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے۔ اسلام نے ان سب طبقات پر ظلم کا خاتمہ کیا اور انہیں سوسائٹی میں باعزت مقام دلوایا۔ عورتیں زمانہ جاہلیت ہی میں ظلم کا شکار نہ تھیں، آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی ظلم و جبر کی چکی میں پس رہی ہیں۔ انہیں جائیداد میں حصہ نہیں دیا جاتا۔ تشدد و بدسلوکی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اسلام نے عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دیے۔ انہیں مردوں ہی کی طرح جائیداد میں حصہ دار ٹھہرایا: لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ (النساء 7:4) خاوندوں کو بیویوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے پیش آنے کی تلقین کی۔ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء 19:4) ماں کے قدموں تلے جنت قرار دی۔ اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ۔ بیٹیوں کو اللہ کی رحمت سے تعبیر کیا اور ان کی اچھی پرورش اور تعلیم و تربیت کرنے اور بالغ ہونے پر ان کا نکاح کرنے والے کو جنت میں نبی آخر الزماں کی ہم نشینی کی بشارت دی گئی۔ اسلام سے قبل بعض لوگ بچوں کو بھوک کے ڈر سے قتل کر دیا کرتے۔ اسلام نے اس ظلم سے روکتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ (بنی اسرائیل 31:17) "اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو۔ ہم ہی رزق دیتے ہیں ان کو بھی اور تم کو بھی۔" غلام جن سے جانوروں سے بھی بدتر سلوک ہوتا، دیگر انسانوں کے برابر کھڑے کیے گئے۔ حضور نے فرمایا: "تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔" اسلام نے غلاموں کی آزادی کو بہت بڑی نیکی اور کئی گناہوں کا کفارہ ٹھہرایا۔ حضور نے اپنے سب غلاموں کو آزاد کر دیا۔ زید بن حارثہ کو نہ صرف آزاد کیا اور اپنا بیٹا بنایا بلکہ اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ کا نکاح بھی ان کے ساتھ کر دیا۔ اسلامی تہذیب میں انسانی حقوق کے اعتبار سے ایک عام فرد اور سربراہِ ریاست میں مطلق کوئی فرق نہیں۔ ایک عام آدمی بلا جھجک سربراہِ مملکت کا احتساب کر سکتا ہے۔ اسے غلط اقدام پر ٹوک سکتا ہے اور اس کے خلاف عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے۔ اسلامی تہذیب میں عربی عجمی، گورے کالے، امیر غریب سب برابر ہیں۔ ان میں سے ہر فرد اپنی اہلیت اور تقویٰ کی بنیاد پر بڑے سے بڑے عہدے پر پہنچ سکتا ہے۔ کوئی نکٹا حبشی غلام بھی سربراہِ مملکت بن سکتا ہے اور اگر وہ شریعت کے مطابق حکومت چلائے تو بلا کسی رنگ، نسل اور قوم قبیلے کی تفریق کے سب مسلمان اس کی اطاعت کے پابند ہیں۔

12- **روحانیت**: انسان جسم اور روح سے مرکب ہے۔ اگر صرف جسم کے تقاضوں کو مدنظر رکھا جائے

اور روح کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو دراصل انسان اور جانور میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ جدید مغربی تہذیب میں بالعموم مادی پہلو غالب ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد زیادہ سے زیادہ جسمانی و مادی لذات کا حصول بن کر رہ گیا ہے۔ انسان جانوروں کی سطح پر اتر کر ہمہ وقت کھانے پینے اور عیش و تنعم کی زندگی گزارنے کی تگ و دو میں مصروف رہتا ہے۔ اسلام ایسی مادیت زدہ زندگی کو قطعاً پسند نہیں کرتا۔ وہ اگرچہ جسم کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کی بھی تلقین کرتا ہے تاہم اس کا اصل فوکس انسان کے روحانی وجود پر ہے۔ اس کے نزدیک انسان کا اصل ہدف روح کی صفائی و ستھرائی اور پاکیزگی ہونا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا. وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس 91:9-10) ''یقیناً کامیاب ہوا جس نے اس (نفس) کو پاک کیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو دبا دیا۔'' انسان کی اصل طاقت روحانی طاقت ہے۔ چنانچہ اسلامی تہذیب میں جسم کے مقابلہ میں روح کو توانا بنانے پر توجہ دی جاتی ہے۔ وہ ایسا ماحول پیدا کرتی ہے، جہاں انسان اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی مدارج طے کر سکے۔ یہ انسان کو ترغیب دیتی ہے کہ وہ اپنی روح کو اس حد تک پاکیزہ کرے کہ جب وہ جسم سے آزاد ہو تو ندا آئے: يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً. فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ. وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (الفجر 89:27-30) ''اے نفس مطمئن! لوٹ چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

13- تصورِ مسئولیت: مسئولیت کے معنی ہیں جوابدہی۔ تصور مسئولیت سے مراد ہے جوابدہی کا تصور۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے آدمی شتر بے مہار نہیں ہے کہ جو کچھ اس کے جی میں آئے کرتا پھرے، کوئی اسے پوچھنے والا نہیں۔ وہ اس کے برعکس یہ تصور دیتا ہے کہ یہ زندگی انسان کا امتحان ہے۔ اللہ نے انسان کو اس جہان میں اپنا نائب بنایا ہے اور اسے یہ فرض سونپا ہے کہ یہاں اس کی حاکمیت قائم کرے اور اس کی بندگی بجا لائے۔ انسان کو یہاں لامحدود زمانوں کے لیے نہیں بلکہ ایک خاص وقت تک رہنا ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (البقرہ 2:36) ''تم کو زمین میں ایک خاص وقت تک رہنا اور فائدہ اٹھانا ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اتارتے وقت فرمایا: قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا. فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ 2:38-39) ''ہم نے کہا سب اتر جاؤ اس سے۔ پھر جو میری طرف سے ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرے، ایسے لوگوں کو کوئی خوف ہوگا نہ غم، اور جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں

کو جھٹلایا وہی جہنمی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' گویا انسان نہ تو یہاں خود بخود پیدا ہو گیا ہے اور نہ ہی وہ غیر ذمہ دار اور غیر مسئول ہے۔ اس کو اس کائنات کے خالق و مالک پروردگار نے بھیجا ہے اور یہاں ایک خاص کردار ادا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب اسے پروردگار عالم کے حضور اپنے کردار سے متعلق جواب دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور علیم و خبیر ہے۔ انسان کا ہر ہر عمل ہر گھڑی اس کی نگاہ میں ہے۔ حتیٰ کہ وہ نگاہوں کی خیانت اور دلوں میں چھپی باتوں سے بھی باخبر ہے: يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ. (المومن 19:40) انسان سے بروز قیامت اس کے کانوں، آنکھوں اور دل وغیرہ سب سے متعلق سوال ہوگا: وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا (بنی اسرائیل 36:17) حدیث نبوی کے بموجب انسان سے پوچھا جائے گا کہ اس نے عمر کہاں صرف کی؟ شباب کیسے گزارا؟ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ اور جو علم دیا گیا تھا اس پر کہاں تک عمل کیا؟ غرضیکہ اسلام میں انسان مکمل طور پر مسئول و جوابدہ ہے اور اسے اپنے ہر ہر عمل کا سامنا کرنا ہے۔

14- عالمگیریت: اسلامی تہذیب عالمگیریت کی حامل ہے۔ اسلام کا پیغام کسی خاص قوم یا علاقے کے لوگوں کے لیے نہیں بلکہ روئے زمین کے تمام انسانوں کے لیے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے انبیا اور مذہبی رہنماؤں کی دعوت کے مخاطب مخصوص اقوام اور علاقوں کے لوگ ہوتے، چنانچہ ان کی برپا کردہ تہذیبیں بھی محدود و مخصوص اور علاقائیت کا رنگ لیے ہوئے ہوتیں۔ بعض مذاہب کے پیروکار تو اس بات کو سخت ناپسند کرتے ہیں کہ کسی اور قوم کا فرد ان کے مذہب میں داخل یا ان کی مذہبی تعلیمات سے آشنا ہو۔ وہ خود کو خدا کے چہیتے اور محبوب اور فلاح و نجات کو اپنے لیے مخصوص سمجھتے ہیں۔ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بنی نوع انسان کو اپنا مخاطب بنایا کہ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف 158:7) ''اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساری انسانیت کی ہدایت کے لیے معبوث فرمایا۔ (وَ مَا أَرْسَلْنَكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَّ نَذِيرًا۔ سبا 28:34۔ ''اور ہم نے آپ کو تمام تمام انسانوں کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔'' وَ مَا أَرْسَلْنَكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَلَمِينَ۔ الانبیاء 107:21) ''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'') اسلامی تعلیمات اور ہدایت و رہنمائی کے دروازے دنیا کے ہر انسان کے لیے کھلے ہیں۔ جو آدمی جس نسل اور جس رنگ کا بھی ہو جب چاہے نہ صرف اسلام قبول کر سکتا اور اس کی تعلیمات سے استفادہ کر سکتا ہے بلکہ اپنی اہلیت کی بنا پر اسلامی معاشرے کا نمایاں

اور اعلیٰ فرد بن سکتا ہے۔ اسلام میں برتری اور عظمت عربوں اور پیدائشی مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں۔ یہاں عجمی اور حبشی و فارسی قریش کے عام معززین ہی سے نہیں، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں سے بھی اعلیٰ مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ اسلام کا اعلان ہے: لَافَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى۔ "کسی عربی کو عجمی اور کسی عجمی کو عربی، کسی گورے کو کالے اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ فوقیت اور برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے۔" اسلام کی یہی آفاقی و عالمگیر اپیل اس کی عالمگیر تہذیب کی بنیاد ہے۔

15- تعلیم و تعلم: اسلام میں پڑھنے لکھنے اور تعلیم و تعلم کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی کا پہلا لفظ ہی اِقْرَاْ (یعنی پڑھیے) ہے۔ قرآن و حدیث میں جگہ جگہ تعلیم و تعلم پر زور دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الزمر 39:8) "آپ کہیے کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟" اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر 35:28) "اللہ سے اس کے بندوں میں سے، علم والے ہی ڈرتے ہیں۔" قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (طٰہٰ 20:114) "کہیے اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔" احادیث میں آتا ہے: اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔ "مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔" طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ۔ "علم حاصل کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے۔" خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهٗ "تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔" اللہ اور رسول کے احکام کی بنا پر مسلمانوں نے تعلیم و تعلم کو اپنا مرکز نگاہ بنا لیا۔ انہوں نے مختلف شعبہ ہائے علم میں وہ خدمات سرانجام دیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔ قرآن و حدیث، تفسیر و تشریح اور ان کے عملی و اطلاقی پہلوؤں کے حوالے سے مسلمانوں نے جو علوم پیدا کیے، علم و حکمت کی دنیا میں مسلمہ حیثیت کے حامل ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے صرف یہی نہیں کیا بلکہ طبعی علوم (Natural Sciences) میں بھی وہ نام پیدا کیا کہ دنیا کے امام کہلوائے۔ بہت سے مغربی محققین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ موجودہ سائنسی و علمی ترقی کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی تھی۔

16- طہارت و نفاست: اسلامی تہذیب کا ایک امتیاز طہارت و نفاست ہے۔ اسلام نہ صرف روحانی گندگی سے بچنے کا درس دیتا ہے بلکہ جسمانی نجاست و ناپاکی سے بھی دور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ حلال اور پاکیزہ کھانے کا حکم دیتا ہے کہ: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا

طَیِّبًا (البقرہ168:2) ''اے لوگو زمین میں جو حلال اور پاکیزہ ہے، وہ کھاؤ۔'' پاکیزگی کو نصف ایمان کہتا ہے کہ: اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ (الحدیث) اور پاک وصاف رہنے والوں کو اللہ کی محبت کی نوید سناتا ہے کہ: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (البقرہ222:2) ''بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے اور پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات طہارت ونفاست کو آدمی کے مزاج کا حصہ بنا دیتی ہیں۔ ایک مسلمان کو دن میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرنا ہوتی ہے اور نماز کے لیے ضروری ہے کہ اس کا جسم، اس کا لباس اور نماز کی جگہ پاک وصاف ہو۔ طہارت ونفاست کے حوالے سے دیگر تہذیبوں کے مقابلہ میں اسلام کی عظمت و برتری کا اندازہ کرنا ہو تو محض اس نکتہ پر ہی غور کر لیں: جدید مغربی تہذیب میں نفاست کے بلند بانگ دعووں کے باوجود اس چیز کو عموماً کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے کہ جنبی آدمی غسل کے بارے میں حساس ہو، زیر ناف وغیرہ بالوں کو بے ہنگم نہ بڑھنے دیا جائے، لباس کو پیشاب وغیرہ کے قطروں سے پاک رکھا جائے۔ لیکن اسلام اس چیز کو نہ صرف قابل التفات سمجھتا ہے بلکہ اس ضمن میں نہایت حساس ہے اور ان امور سے متعلق تفصیلی ہدایات فراہم کرتا ہے۔

17- سادگی: اسلام طہارت ونفاست پر زور دیتا ہے، لیکن نمود ونمائش اور فضول خرچی سے منع کرتا ہے۔ اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال ودولت عطا کی ہو اور وہ اللہ کی اس عطا سے محروموں کی محرومیاں دور کرنے کے بجائے اسے بے جا اڑانے لگے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا. اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (بنی اسرائیل17:26-27) ''فضول خرچی نہ کرو۔ بلاشبہ فضول خرچی کرنے والوں شیاطین کے بھائی ہیں۔'' آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سادگی کا بہترین نمونہ ہے۔ آپ ہمیشہ سادہ لباس پہنتے اور سادہ غذا کھاتے۔ آپ اپنے اصحاب میں کسی بھی لحاظ سے نمایاں ہونا پسند نہ فرماتے۔ ان کے ساتھ مل کر کام کرتے۔ اپنے گھر کے حتیٰ کہ دوسروں کے معمولی سے معمولی کام کرنے میں بھی ذرا عار محسوس نہ کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بھی سادگی کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔ سادگی اسلامی تہذیب کی وہ خصوصیت ہے جو باہمی امتیازات، فخر ومباہات اور طبقاتی تقسیم کو مٹاتی اور باہمی محبت واخوت اور عزت واکرام کو فروغ دیتی ہے۔

18- شورائیت: اسلامی تہذیب میں کوئی فرد یا ادارہ مطلق العنان یا لامحدود اختیارات کا مالک نہیں ہو سکتا، کہ اپنی مرضی سے جو چاہے اور جس طرح چاہے فیصلہ کرے، اور نہ ہی کسی فرد کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ زبردستی لوگوں کا حکمران بن بیٹھے، بلکہ حکومت اور نفاذ قوانین وغیرہ کے معاملات اہل اسلام کی

باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ 38:42) ''اور ان کے معاملات باہمی مشورہ سے انجام پاتے ہیں۔'' صاحب اقتدار کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کاروبارِ سلطنت میں عوام سے مشورہ کرے۔ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آل عمران 158:3) اسلام میں مشاورت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اس کے باوجود کہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، جب بھی کوئی معاملہ درپیش ہوتا، صحابہ سے مشورہ فرمایا کرتے۔

19- معاشی فلاح و بہبود: اسلامی تہذیب معاشی ناہمواری اور استحصال کو ختم کرتی ہے۔ اسلام اس بات کو قطعاً پسند نہیں کرتا کہ سوسائٹی کے کچھ افراد یا طبقات خصوصی مراعات حاصل کر لیں یا روپے پیسے اور وسائل رزق پر سانپ بن کر بیٹھ رہیں۔ وہ تعلیم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معیشت کے ذرائع سب کے لیے یکساں پیدا کیے ہیں اور اس میں کسی کو کوئی اختصاص حاصل نہیں ہے: (وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ (الحجر 20:15) ''اور ہم نے تمہارے اور ان کے لیے جن کو تم رزق فراہم نہیں کرتے، سامان معیشت پیدا کیا۔'') معاشی فلاح اور استحصال کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ سرمایہ معاشرے میں گردش کرتا رہے۔ اسلام نے زکوٰۃ کا نظام قائم کیا اور اس کی یہی حکمت واضح کی کہ: لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (الحشر 7:59) ''دولت تمہارے اغنیا میں ہی گردش نہ کرتی رہے۔'' اسلام اہلِ ثروت کو اپنی ضروریات سے زائد مال کم وسیلہ لوگوں پر خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ زکوٰۃ اور صدقات سے متعلق اسلامی تعلیمات پر عمل غربت اور معاشی استحصال کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

20- امن و آشتی: اسلام امن و آشتی کا دین ہے۔ اسلام کے معنی ہی امن و سلامتی کے ہیں۔ اسلام نہ صرف مسلم معاشرے میں بلکہ پوری دنیا میں امن کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ آج دنیا امن کی پیاسی ہے۔ ہر طرف ظلم و تشدد اور خوف و وحشت کا دور دورہ ہے۔ لوگ امن کے نعرے تو لگاتے ہیں لیکن کسی کے پاس ایسی جامع سکیم نہیں جو دنیا میں امن قائم کر سکے۔ یہ سکیم اسلام کے پاس ہے۔ اسلام ان وجوہ و اسباب ہی کا مکمل طور پر خاتمہ کرتا ہے جو بدامنی اور ظلم و تشدد کی بنیاد بنتے ہیں۔ کاش دنیا کے اربابِ بسط و کشاد سر جوڑ کر بیٹھیں اور اسلام کی فراہم کردہ اس جامع سکیم سے استفادہ کر کے دنیا کو امن و آشتی کا گہوارہ بنانے کا سامان کریں۔